اُردو کے مرد ناول نگاروں کے نمایاں اور اہم نسوانی کردار

(تخصیصی مطالعہ: اللہ رکھی بھٹیارن، شہزاد، وزیر خانم)

ڈاکٹر فرزانہ کوکب☆

Dr. Farzana Kokab

Abstract:

This article reflects the different aspects of feminism in the male novelist. In their novel, they representing the various shades of emotional and spiritual life of woman through different characters like 'Allah Rakhi Bhatiaran' by Pandat Rattan Nath Sarshar, 'Shahzad' by Mumtaz Mufti and 'Wazir Khanum' by Shams-ur-Rehman Farooqi. Of course, they describes problems facing of woman, thinking of society, status of women in particular era with different style. These novelists recognize the femininity and being a human, they also acknowledge high-profile attributes among the women. They would look forward to bringing the right position of the woman in the society through their female characters.

ادب کی کوئی بھی صنف ہو خواہ شاعری ہو یا نثر، ہر دو صورتوں میں ادیب اور تخلیق کار کے پاس اپنے مافی الضمیر کی قاری تک ترسیل کا ایک بہت بڑا اور اہم ذریعہ کرداروں کی صورت میں موجود ہوتا ہے۔ شاعری کی صنف میں تین قسم کے کردار خصوصی حیثیت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ مجموعی طور پر پائے جاتے ہیں۔ عاشق، معشوق اور رقیب۔ لیکن ان تینوں کرداروں کی جنس کا کوئی واضح تعین نہیں ملتا۔ بالخصوص کلاسیکی شاعری میں مذکورہ تینوں کرداروں کی جنس کا کوئی واضح اور حتمی تاثر نہیں پایا جاتا۔ جبکہ جدید شاعری میں بہر حال محبوب کے طور پر عورت کا تصور نمایاں طور پر ابھرتا ہے۔ جہاں تک اردو نثر کا تعلق ہے تو اردو کے افسانوی ادب میں عورت اور مرد کے کردار مساوی اور متوازی حیثیت میں ہی دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن رویوں کے اعتبار سے ہر دو میں سے کوئی ایک کردار زیادہ نمایاں، واضح اور زیادہ اہمیت کا حامل قرار پاتا ہے۔

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

۱۸۵۷ء کے بعد اردو کا افسانوی ادب داستانوں کے ہمراہ سفر کرتے کرتے ایک نیا موڑ مڑتا ہے اور ناول کے ہمراہ ایک نئے ادبی سفر کا آغاز کرتا ہے۔ ڈاکٹر خالد اشرف نے اس نئی صورتِ حال کا احاطہ کچھ یوں کیا ہے:۔

> ''انیسویں صدی میں مغلیہ سلطنت کے خاتمہ اور ۱۸۵۷ء کے واقعات کے بعد ہندوستان میں خارجی ماحول نمایاں حد تک تبدیل ہو چکا تھا۔ معاشرہ کی خارجی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اس کی باطنی تقلیب کا عمل بھی وقوع پذیر ہونے لگا تھا۔ کیونکہ غیر ملکی نظام کے قائم کردہ نئے معاشی رشتوں اور سائنسی علوم و ایجادات کے تعارف کی بدولت پرانے رویے اقدار سے متصادم ہو رہے تھے۔''(۱)

۱۸۵۷ء کے بعد داستان کی جگہ ناول نے لے لی۔ اردو ناول میں موضوعات کے ساتھ ساتھ کرداروں میں بھی حقیقت نگاری کا عنصر ایک غالب حیثیت رکھتا ہے۔ بالخصوص اردو ناول میں عورت کا کردار نسبتاً واضح اور بعض صورتوں میں دوٹوک ہے۔

ناول کو ویسے بھی انسانی زندگی کی مکمل دستاویز کہا جا سکتا ہے۔ جس میں پوری زندگی مرحلہ در مرحلہ لکھ دی جائے۔ موضوع خواہ کچھ بھی ہو، قاری کو ایک بھرپور زندگی سے متعارف کرواتا ہے۔ ناول کرداری ہو یا روودادی۔ ہر دو اعتبار سے کرداروں کو ہی سب سے زیادہ اہمیت کا حامل قرار دیا جاتا ہے۔

اردو ناول میں کردار نگاری کے ضمن میں یہ حقیقت بہت دلچسپی اور اہمیت کی حامل ہے کہ جیسا ناول نگاروں خواہ وہ مرد ہو یا خواتین نے بہت سے لازوال اور ناقابل فراموش کرداروں کی تخلیق کر کے انہیں اردو ناول کی صنف میں امر کر دیا۔ وہیں چند اہم مرد ناول نگاروں نے کچھ ایسے لازوال نسوانی کرداروں کی تشکیل کی جو اردو ناول میں جاوداں حیثیت اختیار کر گئے۔ ان نسوانی کرداروں نے نہ صرف اپنے وجود کا اثبات پوری قوت سے کروایا بلکہ اپنے مرد ناول نگاروں کا عورت سے متعلق نقطۂ نظر کو نہ صرف قاری بلکہ پورے معاشرہ کے سامنے پیش کرنے کا وسیلہ بھی بنے۔

اردو کے پہلے باقاعدہ ناول نگار ڈپٹی نذیر احمد کے پہلے ناول ''مراۃ العروس'' (۱۸۶۹ء) میں اصغری کا کردار اگرچہ مقصدیت کے باعث مثالیت کا شکار دکھائی دیتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اصغری کے کردار کی صورت میں نذیر احمد اپنے عہد کے معاشرہ میں عورت سے منسوب کچھ غلط تصورات کی نشاندہی کرتے اور انہیں رد بھی کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ایک ایسی عورت کی پیش کش بھی ان کا مطمحِ نظر ہے جس کا وجود ایک بہتر معاشرہ کے حصول کے لیے ناگزیر ہے اور عورت کے اس روپ یا کرداری خوبیوں کے بغیر سماجی اصلاح، بہتری یا ترقی کا تصور کرنا محال ہے۔ عورت کے حوالے سے کم از کم برصغیر کے معاشرہ میں عمومی طور پر ہمیشہ سے یہ تصور رہا ہے کہ عورت کو صرف ایک صلاحیت عطا کی گئی ہے کہ وہ خدمت گزاری کرے۔ دوسرے لفظوں میں عورت کی تخلیق کا واحد مقصد محض خدمت گزاری ہے۔ عورت سے کسی بھی طور

عقل وفہم، دانش، سوجھ بوجھ، معاملہ فہمی کی توقع عبث ہے اور چونکہ وہ کند ذہن، ناقص العقل اور سوجھ بوجھ سے عاری ہستی ہے۔ اس لیے کسی بھی معاملے میں اس کی رائے کسی بھی صورت میں صائب نہیں تو پھر عورت کو صائب رائے ہونے کا حق بھی نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن ڈپٹی نذیر احمد اصغری کا تعارف کچھ اس طرح کرواتے ہیں:۔

''اصغری خانم بہت عقلمند، فہمیدہ اور نیک مزاج تھی۔ چھوٹی سی عمر میں اس نے قرآن کا ترجمہ اور مسائل کی اردو کتابیں پڑھ لی تھیں۔ لکھنے میں بھی عاجز نہ تھی۔ گھر کا حال اپنے باپ کو ہفتے کے ہفتے لکھ بھیجا کرتی۔ ہر ایک طرح کا کپڑا سی سکتی تھی اور انواع واقسام کے مزیدار کھانے پکانا جانتی تھی۔ تمام محلے میں اصغری کی تعریف تھی۔''(۲)

درج بالا تعارف سے اصغری کا کردار اپنی جملہ خوبیوں کے ساتھ ہمیں چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔ اس کردار میں جہاں نذیر احمد نے عورت کے حوالہ سے تمام متوقع صفات کو یکجا کر دیا ہے۔ وہیں یہ امر بھی لائق توجہ ہے کہ اصغری کے کردار کے ذریعہ ڈپٹی نذیر احمد نے عورت کو سوچ، فکر، عقل، فہم وفراست کا مرقع بھی بنا کر پیش کیا ہے۔ بہرحال اس کردار کے ذریعہ ایک حقیقت تو واضح اور مبنی برحقیقت ہے کہ ڈپٹی نذیر احمد یہ تسلیم کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ عورت سے متعلق اس عہد یا معاشرہ میں مروّجہ تصورات کے برعکس عورت بحیثیت انسان تمام تر اعلیٰ انسانی کرداری خصوصیات کی حامل ہے اور جن کے عملی اظہار کی ڈپٹی صاحب کم ازکم اپنے عہد اور معاشرہ کی عورت سے توقع رکھتے ہیں۔ بے شک عورت کا کردار عمل اور اس کی کل کائنات اس کا گھر ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری جانب رتن ناتھ سرشار کی متعارف کردہ عورت کو لیجئے۔ رتن ناتھ سرشار عورت کو ایک پوری تہذیب اور معاشرت کے تناظر میں متعارف کرواتے ہیں۔ یہاں یہ عمل قابلِ ذکر اور باعثِ دلچسپی ہے کہ اگرچہ سرشار اسلامی تہذیب سے مکمل آگاہی اور واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن ایک طویل عرصہ تک مسلمانوں کے ساتھ رہنے سے انہوں نے نہ صرف اردو زبان سیکھی بلکہ مسلمانوں کی تہذیب ومعاشرت سے بھی خاطرخواہ واقفیت حاصل کی۔ سرشار کے ناولوں کی عورتیں محض گھر تک محدود نہیں بلکہ وہ روشن خیال گھرانوں سے تعلق رکھنے والے کھلے ذہن کی ذہین عورتیں ہیں۔ علی عباس حسینی لکھتے ہیں:۔

''سرشار کو بیگماتی زبان، معاشرت اور رسم ورواج پر خاصا عبور تھا۔ وہ ان کی ذہنیت، مزاج اور طور طریقوں سے بخوبی واقف تھے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ ان کی بیگمات مسلمانوں کے معیاری شریف گھرانوں کی بیبیاں نہیں بلکہ امیر گھرانوں کی مخلوط نسل قدرے آزاد خواتین ہیں۔''(۳)

عورت کے حوالے سے لکھنؤ کا معاشرہ اور لکھنؤ کا ادب ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور بالخصوص لکھنؤ اور طوائف لکھنؤی تہذیب ومعاشرت کے بیان میں لازم وملزوم ہیں۔ مرزا ہادی رسوا کے

ناول ''امراؤ جان ادا'' کی امراؤ بھی ایسا ہی ایک کردار ہے جو اعلیٰ اخلاق، بلند کردار اور خیالات کا حامل ہونے کے باوجود معاشرہ اور سماج میں قابلِ نفرت اور نا قابلِ قبول ہے۔ اس ناول میں دو مختلف حالات کا شکار ہو کر طوائف بن جانے والی دو عورتوں کے ذریعہ معاشرتی زوال کو ظاہر کیا گیا ہے۔ مرزا رسوا اس ناول میں بحیثیت ایک کردار کے عورت سے متعلق اپنے جن نظریات کا اظہار کرتے ہیں وہ اس سماج اور معاشرت میں عورت کی حیثیت، پہچان اور مقام کا بہت مضبوط حوالہ بن جاتے ہیں:۔

> ''امراؤ جان میری زندگی کا ایک اصول ہے نیک بخت عورت کو میں اپنی ماں بہن کے برابر سمجھتا ہوں۔ خواہ وہ کسی قوم وملت کی کیوں نہ ہو اور ایسی حرکتوں سے مجھے سخت صدمہ پہنچتا ہے جو اس کی پارسائی میں خلل انداز ہوں۔ جو لوگ اس کو ورغلاتے یا بدکار بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ میری رائے میں گولی مار دینے کے لائق ہیں۔ مگر فیاض عورتوں سے مستفید ہونا میرے نزدیک کوئی گناہ نہیں۔''(۴)

لیکن مرزا رسوا نے امراؤ کی صورت میں ایسی عورت کو پیش کیا ہے جو زندگی کے مختلف رنگ دیکھنے اور مختلف لوگوں سے ملنے کے بعد عورت اور مرد کے حوالے سے زندگی کا ایک واضح تصور رکھتی ہے۔ ناول میں ایک جگہ مرزا رسوا امراؤ کے خیالات کا بیان کچھ اس طرح کرتے ہیں:۔

> ''میرے خیال میں مرد و عورت دونوں اپنے اپنے رتبے اور اغراض کو سمجھ لیں تو ان میں ہرگز ملال نہ ہو۔ بہت سی آفتیں ٹل جاتیں اور بہت سی دقتیں دور ہو جاتیں۔ مگر ایک مشکل ہے کہ جب فہمائش کی جائے تو اکثر یہی جواب ملتا ہے۔ اوہ جی! جو تقدیر میں ہوگا وہ ہو کر رہے گا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم جو چاہیں کریں ہمیں نہ روکو ہمارے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ یعنی ہماری بدکارویوں کا کوئی نتیجہ نہیں جو کچھ ہوگا تقدیر سے ہوگا۔ یعنی جو نتیجہ نکلے گا وہ معاذ اللہ خدا کی طرف سے ہوگا۔''(۵)

عبدالحلیم شرر کے ناول ''فردوسِ بریں'' کی زمرد اگرچہ ناول کے بالکل ابتدائی حصہ کے کچھ دیر بعد ہی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور ناول کے درمیان میں ایک مختصر سی جھلک دکھانے کے بعد ناول کے آخر میں نمودار ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کے کردار کی خصوصیات میں دانائی، زیرک، معاملہ فہمی، جرات مندی، عزم و استقلال، ثابت قدمی، فیصلہ کی قوت، وفاداری، نسوانی شرم وحیا، پاکیزگی اور ایک طاقتور قوت باطل قوت کی سرکوبی کے لیے مناسب اور برمحل لائحۂ عمل ترتیب دینا اور اس پر عمل کرنا شامل ہیں۔ قاری کو متاثر کرنے کے لیے کافی ہیں۔ دراصل زمرد کے کردار کے توسط سے عورت سے متعلق عبدالحلیم شرر کا نقطہ نظر بھی سامنے آتا ہے کہ عورت اپنے حوالہ سے عام روایتی اور باطل معاشرتی تصورات اور نظریات کے برعکس اس اعلیٰ کرداری خصوصیات سے مکمل متصف ہو سکتی ہے کہ جو ایک انسان کو انسانی، معاشرتی اور مذہبی سطح پر ایک معتبر اور قابلِ عزت مقام پر فائز کرتی ہیں۔

رسوا کے بعد پریم چند اردو ناول کا ایک بہت بڑا اور معتبر نام ہے۔ پریم چند کے ناولوں کا بھی ایک اہم موضوع ہندو سماج میں عورت کی حیثیت اور مقام ہے۔ نیز اس معاشرت میں عورت کا ہر سطح پر استحصال ہے۔ اگرچہ پریم چند کے اپنے نظریہ کے مطابق بھی عورت قربانی وایثار، وفا شعاری اور خدمت گزاری کے لیے ہی جنمی ہے۔ ''گئودان'' میں پریم چند کا ایک کردار مہتا سے مکالمہ کرتا ہے:۔

> ''میرے ذہن میں عورت وفا اور ایثار کی مورت ہے جو اپنی بے زبانی اور قربانی سے اپنے آپ کو بالکل مٹا کر شوہر کی روح کا ایک جزو بن جاتی ہے۔ قالب مرد کا رہتا ہے مگر جان عورت کی ہوا کرتی ہے۔''(۶)

پریم چند کے بعد کرشن چندر، بیدی، سجاد ظہیر اور عزیز احمد مرد تخلیق کاروں میں نمایاں نام ہیں جنہوں نے بیسویں صدی کی نصف دہائی اور اس کے بعد برصغیر میں عورت کی تبدیل ہوتی حیثیت، مقام، مسائل اور عورت کے حوالے سے بدلتے سماجی نظریات کو بہت بیبا کی اور جرأت مندی کے ساتھ پیش کیا۔ کرشن چندر عورت کو سماج میں بلند مقام پر دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ انہوں نے عورت کو سماج میں مساویانہ حقوق دینے، عورتوں کی زبوں حالی اور دیگر مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ کرشن چندر عورت کی آزادی کے قائل ہیں۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں عورتوں کے ساتھ ہونے والے ظلم وستم کو پیش کیا اور عورت کی عظمت کے گیت بھی گائے ہیں۔ ساتھ ہی ان کے ناولوں میں عورت کے خلاف خود عورت کے سینہ سپر ہو کر سماج کے خلاف احتجاج کسی قدر وسیع کینوس پر ملتا ہے:۔

> ''اردو ناول میں سب سے پہلے کرشن چندر نے ''شکست'' کے ذریعہ ''چندرا'' جیسی باغی عورت کے کردار کو پیش کیا ہے جو کہ سماج اور برادری سے بیزار ہے اور سماجی ناانصافیوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرتی ہے۔ اس طرح کا کردار اس سے پہلے اردو ادب میں نہیں ملتا۔''(۷)

راجندر سنگھ بیدی کے ناول ''اک چادر میلی سی'' میں رانو کے کردار کی صورت میں ہندوستان کے نچلے طبقہ کی عورت کو پیش کیا گیا ہے۔ ذلت، محرومی، بے کراں دکھ، مجبوری، ناقدری، نارسائی اور بے چارگی کے سوا سماج اور زندگی کی کوئی اور عطا اس عورت کا مقدر نہیں۔ ڈاکٹر عقیلہ جاوید لکھتی ہیں:۔

> ''رانو کے روپ میں بیدی نے اس ناول میں ہندوستانی عورت کا ایسا تصور پیش کیا ہے جو اپنے کمزور کندھوں پر دکھوں کا بوجھ اور غم کا پہاڑ اٹھائے زندگی کی تلخ ترین حقیقتوں کے گھونٹ بخوشی پینے کو تیار ہے۔''(۸)

شوکت صدیقی کے ناولوں کی عورت خواہ وہ سلطانہ ہو رضیہ ہو یا کوئی اور وہ ایک بے حس اور استحصال زدہ معاشرے میں اپنی بے چارگی کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ عبداللہ حسین، مستنصر حسین تارڑ، حسن منظر، مرزا اطہر بیگ، غرض ناول کی پوری روایت میں عورت کی حیثیت اور مقام مسائل اور نظریات میں تبدیلی گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے سماج اور معاشرت کے منظرنامہ کا

ایک لازمہ بن جاتی ہے۔

اردو ناول میں مرد ناول نگاروں کے ہاں نسوانی کرداروں کے ایک اجمالی تجزیہ کے بعد جن نسوانی کرداروں کو بہت جاندار، طاقتور، نا قابلِ فراموش قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان میں ''فسانہ آزاد'' کی اللہ رکھی بھٹیارن، ''علی پور کا ایلی'' کی شہزادا اور ''کئی چاند تھے سرِ آسمان'' کی وزیر خانم یقیناً شامل ہیں۔ اردو ناول کی پوری روایت کے زندہ جاوید نسوانی کرداروں میں یہ تین نسوانی کردار ایسے ہیں جو نہ صرف یادگار رہیں بلکہ اپنی اپنی جگہ بے حد انفرادیت اور اہمیت کے حامل ہیں۔ ۱۸۸۰ء میں شائع ہونے والا ضخیم ناول ''فسانہ آزاد''، 'اودھ' کے شاہی دور کے زوال کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ اس ناول میں اس دور کی کہانی ہے جب لکھنؤ تباہی کی طرف مائل تھا اور اس المناک صورت حال اور بربادی کے جملہ اسباب میں دیگر سماجی برائیوں کے ساتھ ساتھ لکھنؤ کے لوگوں میں جنسی تلذز پرستی کی طرف شدید رجان بھی تھا۔ اس جنسی تلذز پرستی کی صورت حال میں عورت کا کردار ابھر کر سامنے آتا ہے۔ عورت زندگی کے ہر شعبہ میں مرکزیت کی حامل دکھائی دیتی ہے۔

سرشار نے جس دور کی تصویر کشی کی ہے اس میں عورت کا کردار خصوصی اہمیت رکھتا ہے چونکہ سرشار کے ناول کا Locale بھی لکھنؤ ہی ہے۔ اس لیے ناول میں لکھنؤ کی عورت کو بڑی تفصیل سے متعارف کروایا گیا ہے۔ بازار کی طوائفوں کے ساتھ ساتھ دیہات کی فاحشہ عورتیں بھی موجود ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سرشار کے عہد میں اس طبقہ کو کتنا عروج حاصل تھا۔ بلکہ یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ امیر طبقہ بالخصوص شاہی طبقہ کے زوال کا باعث بھی خاصی حد تک یہی طبقہ تھا۔ ''فسانہ آزاد'' میں پیش کی گئی زوال پذیر سوسائٹی کھسوٹ اور عیاشی کے ساتھ دولت کی فراوانی کے باعث غیر اخلاقی سرگرمیوں کی مرتکب پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر عقیلہ جاوید اس ضمن میں لکھتی ہیں:۔

> ''فسانہ آزاد میں ہمیں ایسی بیگمات بھی مل جاتی ہیں جو شادی سے قبل یا شادی کے بعد دل کھول کر دادِ عیش دیتی ہیں۔ ثریا بیگم عرف جوگن، حسن آرا کی چچا زاد بہن یعنی بمبئی والی بیگم، نازک ادا بیگم عرف آسمان اور جانی بیگم اس قسم کی نمائندہ سیرتیں ہیں۔ ان کے اخلاق کی تباہی کا باعث عام طور پر دو چیزیں ہیں۔ ایک محلوں کا عیاشانہ ماحول اور دوسرے نچلے طبقہ کی عورتوں کی بڑی محبت کا اثر، جس کا شکار ہو کر وہ شرافت کے اعلیٰ معیار کو فراموش کر بیٹھتی تھیں۔''(۹)

''فسانہ آزاد'' کے نسوانی کرداروں میں اللہ رکھی بھٹیارن عرف ثریا بیگم اپنی نوعیت کا ایک منفرد متحرک اور بے حد جاندار کردار ہے۔ اللہ رکھی کا تعلق لکھنؤ کے ایک ایسے طبقہ سے ہے جس کی روزی روٹی کا دارومدار اس عہد میں صرف جسم فروشی پر تھا۔ اس تمام پس منظر میں اللہ رکھی ایک الگ ہی انداز میں ناول میں وارد ہوتی ہے۔ وہ اوائل عمری میں ہی ایک مرد کے عشق میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ مگر جب اس

شخص سے اللہ رکھی کی شادی نہیں ہو پاتی تو وہ اس کے عشق میں خود کو برباد کرنے کی بجائے ایک شریف آدمی سے شادی کر کے شرافت کی زندگی بسر کرنے کو ترجیح دیتی ہے۔

''اللہ رکھی'' کے کردار کے توسط سے اس طبقہ سے تعلق رکھنے والی عورتوں کی سیرت و کردار اور طرزِ زندگی کی تمام خامیوں کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایسا نہیں کہ اللہ رکھی کو کوئی پسند نہیں کرتا تھا درحقیقت وہ بہت حسین ہونے کے باوجود چونکہ نچلے طبقہ سے تعلق رکھتی تھی۔ اس لیے کسی مرد کا دائمی قرب نہ حاصل کر سکی۔ دھتکارا جانا بلاشبہ کسی بھی عورت کی نسوانی انا، غرور اور وقار کو ایک تکلیف دہ ٹھیس پہنچاتا ہے۔ اللہ رکھی نے صرف ایک ہی مرد سے عشق کیا تھا اور اس کے سوا کسی اور مرد کو اس نے اس نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ اللہ رکھی کا جنم جس لکھنؤ میں ہوا تھا اس کا تمام معاشرہ ہوس پرستی اور لذت پرستی میں ڈوبا ہوا تھا۔ دولت کی ریل پیل اور معاشی فارغ البالی کے باعث نہ صرف یہ کہ طوائف اس معاشرہ کی کمزوری بن چکی تھی بلکہ طوائف کو بہت زیادہ طاقت حاصل تھی۔ اللہ رکھی کا جنسی آسودگی کی طرف رجحان کی وجوہات میں ایک بڑا سبب اس کا غیر تعلیم یافتہ ہونا اور دوسرا ایسی سہیلیوں کی صحبت تھی جو جنسی راہ روی کا شکار تھیں۔ ان اخلاق یافتہ سہیلیوں کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے وہ بھی چاہتی تھی کہ اسے بھی چاہا جائے اور وہ یہ دھوکا بھی کھا لیتی تھی۔ لیکن اس قرب سے آزاد ہونے کے بعد وہ فریب خوردہ یا شکستہ دل نہیں ہوتی تھی بلکہ بہت حوصلہ، مضبوطی اور اعتماد کے ساتھ وہ ایک نئی زندگی کی راہ پر گامزن ہو جاتی تھی۔ یہ تمام خوبیاں اس کے کردار کو قابلِ توجہ بنا دیتی ہیں۔

اللہ رکھی معاشرے کی عام عورت سے قطعاً مختلف اور منفرد ہے۔ وہ بہت باہمت اور مضبوط ہے۔ معاشرتی استحصال اور ستم ظریفی کو تقدیر کا جبر سمجھ کر خاموشی سے سہتی نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف بھرپور مزاحمت اور احتجاج کرتی ہے۔ جب آزاد اس سے شادی کا وعدہ کر کے مکر جاتا ہے تو وہ رونے بسورنے کی بجائے اسے دوٹوک جواب کچھ اس طرح دیتی ہے:۔

> ''معقول معقول کیا کرتا ہے نامعقول کل ہی کو میں نالش داغتی ہوں۔ رک تو سہی جو ناچ نہ نچاؤں۔ کیا نکلے جاتے ہیں۔ اقرار کر کے مکر جانا خالہ جی کا گھر ہے۔۔۔ ذری ٹھہرے ہو میاں جو میں آئی پر آئی تو بڑا گھر ہی دکھاؤں گی۔ کسی اور بھروسے پر نہ بھولنا، مجھ سے بُرا کوئی نہیں۔''(۱۰)

اس دور میں لکھنؤ برائیوں کا سرچشمہ تھا۔ عیاشی کے عام چلن اور ماحول میں اللہ رکھی بھٹیارن جو ایک سرائے چلاتی تھی کا صحبت میں وحدت کا قائل ہونا بہت بڑی بات ہے۔ محبت سے متعلق اپنا نظریہ کچھ اس طرح بیان کرتی ہے:۔

> ''یہ آئین وفاداری میں جائز نہیں کہ ایک معشوق کو بغل میں لے کر بیٹھو اور ایک کو جلاؤ۔''(۱۱)

غرض اللہ رکھی عرف ثریا بیگم ناول ''فسانہ آزاد'' کا ایک ایسا ناقابل فراموش کردار ہے جو

عورت کی نفسیات کی مکمل اور بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ وہ اپنے عہد میں نچلے طبقہ کی عورتوں کے مسائل کی نمائندہ ہے۔ جن کو مرد محض جنسی تلذز کے حصول کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔

اللہ رکھی کے کردار کی پیشکش کے ذریعہ رتن ناتھ سرشار بھی یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ عورت مفت کی کھیتی نہیں جو ہر مرد کے لیے آسودگی کا سامان مہیا کرے۔ وہ بھی انسان ہے اس کو بھی چاہے جانے کی امنگ ہے۔ حقیقی محبت کی متلاشی ہے اور عزتِ نفس کی حامل ہے۔ بقول لطیف حسین ادیب:۔

''ثریا بیگم دنیائے فانی میں سرشار کا ایک لازوال کردار ہے۔''(۱۲)

ناول ''علی پور کا ایلی'' ممتاز مفتی کا ایک اہم ادبی کارنامہ ہے ایک ایسا نفسیاتی ناول جس میں ہر عمر کے فرد کی نفسیاتی کشمکش کو ظاہر کیا گیا ہے۔ ایلی اور شہزاد ناول کے مرکزی کردار ہیں۔ ادب میں اگر مختلف تجربات کے حوالے سے بات کی جائے تو بلاشبہ سب سے بڑا تجربہ عشق اور محبت کا ہی قرار پاتا ہے۔ اس ناول میں بھی اس تجربے کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ متوسط طبقہ کی جنسی کج رویوں اور محرومیوں سے جنم لینے والے مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ تمام الجھنیں اور مسائل ناول کے ایک نسوانی کردار شہزاد سے شروع ہوتی ہیں۔ رفتہ رفتہ شہزاد کا کردار ناول میں مرکزیت اختیار کر لیتا ہے اور ناول کو آگے بڑھاتا ہے۔

شہزاد ناول میں ایک ایسی خاتون کے طور پر سامنے آتی ہے جس کا شوہر اس سے شادی تو کر لیتا ہے مگر محبت نہیں کرتا۔ شہزاد اپنے شوہر کے اسی رویہ سے دلبرداشتہ ہو جاتی ہے۔ جبکہ وہ جنسی طور پر بھی ناآسودگی کا شکار رہتی ہے۔ شہزاد کے کردار کی پیش کش بہت منفرد انداز میں کی گئی ہے۔ جس میں ایک چونکا دینے والی کیفیت ہے۔ اس کی فطری شوخی اور بیبا کی اس کو دوسری عورتوں سے ممتاز کرتی ہے۔ شہزاد کی تمام تر شوخی کے باوجود ناول پڑھنے کے بعد یہ تاثر شدت سے قائم ہوتا ہے کہ شہزاد ایک المیاتی کردار ہے۔ وہ دکھ درد جھیلتی ہے۔ روحانی کرب سے گزرتی ہے لیکن اس سب کے باوجود اس کی شخصیت کی فطری شوخی اور اس کے مزاج میں ''مزاح'' کا عنصر ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔ اس کے کردار کا یہ اچھوتا پن ہی اسے مضبوطی بخشتا ہے۔ اپنے شوہر کے رویہ پر آنسو بہانے کی بجائے وہ غصہ اور طیش کا اظہار کرتی ہے اور اپنی خوشیوں اور آسودگیوں کے حصول کے لیے متبادل راستے کا انتخاب کرتی ہے۔ وہ عام عورت کی طرح اپنی تقدیر اور حالات سے سمجھوتہ نہیں کرتی بلکہ معاشرتی پابندیوں میں جکڑی رہنے کی بجائے اپنی خوشیوں کے حصول کے لیے بغاوت کرتی ہے:۔

''نسائیت کا اسرار اور اس کے متضاد روپ شہزاد کے کردار میں جمع ہو گئے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ عورت کی ایسی علامت بن جاتی ہے جو زمان و مکان کی پابندیوں سے بالاتر ہے۔''(۱۳)

شہزاد بہت دلیری سے معاشرہ کا مقابلہ کرتی ہے لوگوں کے طعنوں کا منہ توڑ جواب دیتی ہے

اور اپنے طرزِ عمل سے ان کو یہ باور کرواتی ہے کہ ان سب باتوں سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ظاہر ہے کہ شہزاد کا یہ انداز اور طرزِ عمل قدامت پسند خواتین کے لیے باعث استعجاب ہوتا ہے۔ ان کی چہ مگوئیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ شہزاد کی شخصیت کے متضاد پہلو ایلی سے محبت کے دوران بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ ایلی سے شدید محبت کرنے کے باوجود کبھی کبھی اس کے وجود سے لاتعلق ہو جاتی ہے۔ اس دوہرے طرزِ عمل سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایلی کی محبت پا لینے کے باوجود مطمئن نہیں۔

شہزاد کو بچپن سے ہی کھلا ماحول ملا، اس کے والد ریلوے میں ملازم تھے۔ اس لیے ان کی زندگی میں ان کی تعیناتی مختلف اسٹیشنوں پر ہوتی رہی۔ شہزاد کسی محلہ میں پروان نہ چڑھی تھی۔ اس لیے اس کی زندگی میں محلہ کی زندگی کے اثرات نظر نہیں آتے۔ اس کا خاندان معاشی طور پر آسودہ تھا۔ وہ روشن خیال تھی۔ جبکہ محلہ میں رہنے کے دوران اسے بالکل مختلف حالات اور رویوں کا سامنا کرنا پڑا۔ محلہ کی عورتیں صرف اور صرف شہزاد کو ہی موضوع گفتگو بنائے رکھتی۔ لیکن اسے ان کی ذرہ برابر بھی پروا نہ تھی۔

ناول میں شہزاد بیک وقت بیوی اور محبوبہ کے روپ میں سامنے آتی ہے۔ اس کے کردار میں شوخی اور رنگینی بدرجہ اتم موجود ہے۔ مگر وہ جنسی لذت کی نسبت سچی محبت کے حصول کی خواہش رکھتی ہے اور خود بھی سچا عشق کرنا چاہتی ہے۔ شہزاد کی شخصیت کی انفرادیت، فعالیت اور فوقیت ہی ایلی کو اپنا اسیر بناتی ہے۔ کیونکہ یہ ساری کرداری خوبیاں وہ اپنی ادھوری اور محروم ذات میں بھی دیکھنا چاہتا تھا۔

ناول میں ایک موڑ ایسا آتا ہے جب ایلی، شہزاد کو اس کے ایک تعلق کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے لیکن جب وہ واپس آتا ہے تو شہزاد کا رو رو کر ایلی سے معافی مانگنا بھی شہزاد کے کردار کے ایک الگ ہی پہلو کو سامنے لاتا ہے۔ دراصل شہزاد دائمی محبت کی قائل ہے۔ اسے یہ محبت میسر تو آتی ہے لیکن بہت مشکلات کے بعد۔ ایک وقت ایسا آتا ہے جب شہزاد کا محلہ میں رہنا مشکل ہو جاتا ہے تو وہ ایلی کے ساتھ بھاگ جاتی ہے۔ لیکن اب وہ محبوبہ اور بیوی کے ساتھ ساتھ ایک ماں بھی ہے اور بیٹیوں کی ماں ہے۔ بالآخر ممتا کا جذبہ ہر قسم کی محبت پر غالب آ جاتا ہے اور وہ اپنی محبت سے دستبردار ہو کر صرف ماں بن کر رہ جاتی ہے۔

ممتاز مفتی نے شہزاد کے کردار میں عورت کی نفسیات کے حوالے سے اس کی شخصیت اور کردار کے وہ پہلو ہمیں دکھائے ہیں جو اس سے پہلے سامنے نہیں آئے تھے۔ عورت کی زندگی کا سب سے بڑا المیہ ہمارے معاشرہ میں یہی ہے کہ اگر وہ اپنی ساری زندگی میں ایک غلط قدم بھی اٹھالے تو ساری زندگی اسے اس غلطی کی سزا بھگتنا پڑتی ہے۔ شہزاد کے کردار میں عورت کی نفسیات کے متنوع پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ وہ محبوبہ اور ماں کے مناصب کی پیچیدگیوں اور تقاضوں سے بڑی خوش اسلوبی، زیرکی اور جرأت مندی سے عہدہ برا ہوتی نظر آتی ہے۔

شہزاد کے کردار میں ہمیں عورت کے حسن، بیباکی اور شوخی کی ایسی نسوانی خوبیاں نظر آتی ہیں

جو بہت جاذب نظر اور دلکش ہیں۔ ''علی پور کا ایلی'' ناول میں شہزاد کا کردار بلاشبہ زندگی کی بھرپور ترجمانی کرتا ایک کرشماتی کردار ہے۔

ڈاکٹر محمد احسن فاروقی 'شہزاد' کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کچھ یوں رقمطراز ہیں:۔

''جس حسن وخوبی سے انہوں (ممتاز مفتی) نے شہزاد کو پُراثر بنایا ہے وہ ان کے تجربہ کا اور اس کو نہایت کامیابی سے پیش کرنے کا حق ہے۔ اردو ناول نگاری کی وہ سب سے زیادہ حسین اور واقعاتی ہیروئن ہوجاتی ہے۔ وہ پنجاب کے حسن و کرشمہ کا اشارہ ہے۔ وہ ہر کرشمہ ساز عورت کا اشارہ ہے۔''(۱۴)

ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسمان''، شمس الرحمن فاروقی کا ایک ایسا دستاویزی ناول ہے جس میں ایک پورا عہد مختلف تہذیبی خصوصیات کے ساتھ ابھر کر سامنے آتا ہے۔ ناول میں ہند اسلامی تہذیب کا زوال ایک اہم موضوع ہے۔ ناول کی ایک بہت بڑی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہند اسلامی تہذیب اور ہند یورپی تہذیب آپس میں ضم ہوتی نظر آتی ہیں۔ ناول کے تمام حالات واقعات کا تانا بانا ناول کے مرکزی کردار وزیر خانم کے گرد بنا گیا ہے۔ حیرت انگیز اور زبردست نسائی شعور کا حامل یہ کردار بیک وقت کئی تہذیبوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ پورے ناول میں وزیر خانم کا کردار اپنی تمام تر اہمیت اور اثر پذیری کی شدید قوت کے ساتھ ایک تواتر وتسلسل سے موجود ہے۔

شمس الرحمن فاروقی نے وزیر خانم کی ایک نازک، حسین اور خوبرو خدوخال سے بھرپور شخصیت تخلیق کی۔ حسن و جمال کی ان نمایاں خوبیوں کے ساتھ وہ ذہانت جیسی خوبی سے بھی مالا مال ہے۔ اس کا نسائی شعور بہت پختہ اور قابلِ تحسین ہے۔ وہ اپنے آپ کو باقی عورتوں کی طرح کمزور اور لاچار نہیں سمجھتی بلکہ خود کو ایک مکمل انسان کے طور پر متعارف کرواتی ہے۔ بے حد خوددار ہے اور اپنی عزت نفس کو کسی قیمت پر پامال نہیں ہونے دیتی۔ شہزادیوں جیسی وزیر خانم بچپن سے ہی اکھڑ اور خودمختار واقع ہوتی تھی۔ تھوڑا بہت گانا بجانا بھی سیکھا ہوا تھا۔ اس کی اصل تربیت میں مردوں پر حکمرانی کرنے کے اصولوں کے تحت کی گئی تھی:۔

''سات آٹھ برس کی تھی جب اسے اپنے حسن اور اس سے بڑھ کر اس حُسن کی قوت اور اس قوت کے برتنے کے لیے اپنی بے نظیر اہلیت کا احساس ہو گیا تھا۔ نوکر چاکر، بازاری پھیری والے، بہشتی سقے، پھول والے، گاڑی بان، بیوپاری، حتیٰ کہ ماں باپ تک کو وہ انگلیوں پر نچاتی تھی۔''(۱۵)

وزیر خانم کا کردار سماجی شعور سے مکمل بہرہ مند ہے اس کے کردار اور رویہ کی شوخی نہ صرف معاشرہ کی فرسودہ روایات میں جکڑی ہوئی روایتی عورت کے تصور سے بغاوت کی غماز ہے۔ بلکہ اس کے نسائی شعور کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ وہ اپنے گھر والوں کی مرضی کے خلاف اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے کی

جرأت رکھتی ہے۔ اپنی خودمختاری پر کوئی سمجھوتہ نہیں کرتی۔ ایک کل کی گڑیا کی طرح نہیں بلکہ اپنی مرضی کرنے والی عورت کی طرح زندگی گزارتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں یکے بعد دیگرے مردوں سے تعلق استوار کرتی ہے۔ جس میں سے وہ باقاعدہ اس کے شوہر ہیں۔ ان کے ساتھ تعلق کے حوالے سے بھی وزیر خانم کوئی سمجھوتہ کرنے پر آمادہ نہیں۔ بلکہ اس کا نظریہ بہت دلچسپ اور واضح ہے۔ ایک جگہ لکھتی ہیں:۔

> ''شاہزادہ وہ تقدیر میں لکھا ہوگا تو آئے گا ہی نہیں تو نہ سہی، سمجھے جو مرد چاہے گا اسے چکھوں گی۔ پسند آئے گا تو رکھوں گی نہیں تو نکال باہر کروں گی۔''(۱۶)

دلچسپ امر یہ ہے کہ وزیر خانم نے اپنی زندگی میں جن چار مردوں سے تعلق استوار کیا۔ وہ سب الگ الگ تہذیبوں کے پروردہ تھے۔ اسی حوالے سے وزیر خانم کا کردار ایک ایسے تہذیبی کردار میں ڈھلتا ہے جو ہند یورپی تہذیب اور ہند اسلامی تہذیب کا آئینہ دار ہے۔ وزیر خانم کے کردار کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ اگرچہ وہ مختلف اوقات میں مختلف لوگوں سے محبت کا دم بھرتی ہے۔ اس کے باوجود اس کا وقتی جذبہ نہایت خالص ہے۔ جس میں کہیں بھی کوئی جھول نہیں ہے کہ وہ نسوانیت سے بھرپور ہونے کے ساتھ ساتھ مضبوط اعصاب کی مالک ہے۔ اس میں حالات سے موافقت اور مسابقت کو بے پناہ صلاحیت موجود ہے۔

وزیر خانم کی زندگی میں آنے والے دو مرد بلیک مارسٹن اور نواب شمس الدین مختلف شخصی اور تہذیبی مزاج کے حامل تھے۔ وزیر خانم نے ان کے مزاج، ماحول اور ان سے تعلق کے باعث درپیش حالات کا بڑی دلیری اور ثابت قدمی سے مقابلہ کیا۔ مارسٹن بلیک کا قتل ہو، نواب شمس الدین کی پھانسی یا آغا تراب کا بٹ ماروں کے ہاتھوں قتل، وزیر خانم تمام صدموں اور بڑے سے بڑے اور پختہ شخصیت کی مالک عورت کے طور پر سامنے آتی ہے جو اپنی زندگی میں پے در پے وقوع پذیر ہونے والے بدترین حادثات سے گزرنے کے بعد بھی خود کو سنبھالے رکھتی ہے اور آگے بڑھتی رہتی ہے۔ انتظار حسین نے وزیر خانم کے کردار کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:۔

> ''وہ ایک عظیم عورت ہے اتنی عظیم کہ اس کے سامنے ملکہ ہندوستان نواب زینت محل بھی گھٹ کر ایک معمولی درجہ کی جھگڑالو عورت معلوم ہونے لگتی ہے۔''(۱۷)

نواب تراب علی کے بعد جب مرزا فخرو کا رشتہ آتا ہے تو یہ پہلا موقع ہوتا ہے جب وزیر خانم سوچ میں پڑ جاتی ہے کہ کیا اب بھی وہ جذبات کی سچائی کے ساتھ کوئی تعلق استوار کر سکتی ہے۔ اس کی یہی سوچ اس کے کردار کے ایک متاثر کن پہلو کو سامنے لاتی ہے۔ اس کے لیے کوئی بھی تعلق استوار کرنا محض جسمانی یا ذہنی کشمکش کا ذریعہ نہیں بلکہ تسکین کا حصول بھی سچے جذبات اور پورے خلوص سے کرنا چاہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام تر معائب و آلام کا سامنا کرنے کے باوجود اس کی نسوانیت اپنے تمام تر اثبات

کے ساتھ موجود ہے۔ وہ ایک ایسی عورت کے طور پر ہمارے سامنے موجود ہے جسے حالات کی ستم ظریفی غمزدہ تو کر سکتی ہے مگر جذبات سے عاری نہیں بنا سکتی۔

مرزا فخرو کی وفات کے بعد اسے دوبارہ اسی استحصال، ناانصافی اور ناروا رویوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن تب پھر بھی وہ جرأت اور حوصلہ سے ان سب کا مقابلہ کرتی ہے۔ وزیر خانم کی ساری زندگی اپنے حق کے لیے لڑتے لڑتے گزری۔ لیکن اس نے سماج کے ظلم و ستم، ناانصافی اور زیادتی کو روایتی اور پس ماندہ عورت کی طرح چپ چاپ برداشت نہیں کیا۔ بلکہ ہر قدم پر اہلِ معاشرہ کو منہ توڑ جواب دیا۔ وزیر خانم خود بھی ایک جگہ کہتی ہے:۔

''ساری زندگی میں حق کی جو یا رہی ہوں۔ وہ پہاڑوں کی کسی کھوہ میں ملتا ہو تو ملتا ہو ورنہ اس آسمان تلے تو کہیں دیکھا نہیں گیا۔''(۱۸)

وزیر خانم درحقیقت محض ایک عورت نہیں بلکہ ایک مجسم تہذیب ہے جس کے توسط سے ناول میں کئی تہذیبوں کی عکاسی ملتی ہے۔ ایک طرف وہ اپنے حسن کی طاقت سے مردوں کے دلوں پر راج کرتی نظر آتی ہے تو دوسری طرف نسائی طاقت کا بھرپور اور توانا اظہار بن کر سامنے آتی ہے۔ بلاشبہ اللہ رکھی، شہزادا اور وزیر خانم اردو ناول کی روایت میں بے حد معروف اور ناقابل فراموش نسوانی کردار ہیں۔ تینوں کرداروں میں نسوانیت بے باکی اور جرات کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ تینوں ہی اپنی خوشیوں اور اپنے حق کے لیے سماج سے ٹکر لیتی اور بغاوت کرتی ہیں۔ ان تینوں کرداروں کے ذریعہ نہ صرف عورت کی نفسیات کی بہترین عکاسی مختلف پہلوؤں سے ملتی ہے۔ بلکی یہ تینوں اپنے اپنے عہد کی ترجمان بھی بن جاتی ہیں۔

سماج میں عورت کو درپیش مسائل، عورت کے مقام کے حوالے سے اس کے اندر جنم لینے والا احتجاج ان تینوں نسوانی کرداروں میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار، ممتاز مفتی اور شمس الرحمن فاروقی نے بلاشبہ ایک خاص عہد میں عورت کے حوالے سے معاشرہ کی سوچ، نظریات، عورت کے مقام و حیثیت اور اس کو درپیش مسائل کی نہ صرف بہت مہارت سے تصویر کشی کی ہے۔ بلکہ ان تینوں ناول نگاروں کے مذکورہ تینوں نسوانی کردار ان تینوں تخلیق کاروں کے عورت کے حوالے سے خود ان کے اپنے نظریات اور سوچ و فکر کے آئینہ دار ہیں۔ مذکورہ ناول نگار عورت کو ایک پس ماندہ اور فرسودہ روایات کے حامل سماج میں عورت کے حوالے سے رائج تصورات سے بالکل ہٹ کر دیکھتے ہیں۔ عورت کی تمام تر نسوانیت کو تسلیم کرتے ہوئے وہ اس کے بحیثیت انسان اعلیٰ کرداری اوصاف کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔ سماج میں عورت کو اس کا جائز حق اور درست مقام و مرتبہ دلانے کے لیے اپنے ناولوں کے نسوانی کرداروں کے ذریعہ ہی آواز بلند کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ تینوں ناول نگار خود بھی ایک بہتر معاشرہ کے قیام میں عورت کے کردار اور اہمیت کے پوری طرح قائل ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ خالد اشرف، ڈاکٹر، برصغیر میں اردو ناول، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۵ء، ص ۹

۲۔ نذیر احمد، مراۃ العروس، ص ۲۷، ۲۸

۳۔ علی عباس حسینی، ناول کی تعریف وتنقید، لاہور: لاہور اکیڈمی، ۱۹۶۴ء، باراول ص ۲۵۱

۴۔ محمد ہادی رسوا، مرزا، امراؤ جان ادا، کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۱ء، باراول، ص ۳۰۳

۵۔ ایضاً، لاہور: مجلس ترقی ادب، ص ۳۴۸

۶۔ پریم چند، گئودان، لاہور: چوہدری اکیڈمی، سن ندارد، ص ۱۶۹

۷۔ عبدالسلام صدیقی، ڈاکٹر، کرشن چندر کے ناولوں کا تنقیدی مطالعہ (سماجی ثقافتی اور سیاسی پس منظر میں)، نئی دہلی (ہند): انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۴ء، ص ۵۰

۸۔ عقیلہ جاوید، ڈاکٹر، اُردو ناول میں تانیثیت، ملتان: یوسف مرید پرنٹنگ پریس، جولائی، ۲۰۰۵ء، ص ۲۴۹

۹۔ ایضاً ص ۱۱۵

۱۰۔ رتن ناتھ سرشار، فسانۂ آزاد، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۴ء، جلد اول ص ۲۶۵

۱۱۔ ایضاً ص ۱۰۷

۱۲۔ لطیف حسین ادیب، ڈاکٹر، رتن ناتھ سرشار کی ناول نگاری، پاکستان: انجمن ترقی اردو، ص ۱۸۵

۱۳۔ نذیر احمد، فکشن نگار ممتاز مفتی، لاہور: شرکت پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۲ء، ۳۴۴

۱۴۔ احسن فاروقی، ڈاکٹر، اُردو ناول کی تنقیدی تاریخ، لاہور: سندھ ساگر اکیڈمی، ۱۹۶۸ء، ص ۹۴۸

۱۵۔ شمس الرحمن فاروقی، کئی چاند تھے سرِ آسمان، کراچی: دی سمیع سنز پرنٹرز، جنوری ۲۰۰۶ء، ص ۱۱

۱۶۔ ایضاً ص ۱۷۱

۱۷۔ انتظار حسین، ڈیلی ڈان کراچی، ۳۰ جولائی، ۲۰۰۶ء، ص ۳۰

۱۸۔ شمس الرحمن فاروقی، کئی چاند تھے سرِ آسمان، کراچی: دی سمیع سنز پرنٹرز، جنوری ۲۰۰۶ء، ص ۸۱۶